## ۹۲واں باب

# قریش کی شکست کا آغاز

## ۸۹: سُوْرَۃُ بَنِیٓ اِسْرَآئیل [۱۷ – ۱۵: سُبْحَانَ الَّذِیْ] جاری


| | |
|---|---|
| ۱۹۶ | اہلِ مکہ دعوتِ توحید کو کیوں نہیں قبول کر پا رہے؟ |
| ۱۹۷ | قیامت پر منکرین کا تعجب اور اعتراضات |
| ۱۹۸ | حکمتِ تبلیغ |
| ۱۹۸ | رسولوں کے درمیان فضیلت کی غیر ضروری بحث نامناسب ہے |
| ۲۰۱ | مشرکینِ مکہ کی شکست کا آغاز ہو چکا ہے |
| ۲۰۳ | قصہ آدمؑ و ابلیس |
| ۲۰۴ | منکرینِ مکہ دورِ حاضر کے گم راہوں کے مقابلے میں! |
| ۲۰۵ | کیا سمندر میں ڈوبنے سے بچ جانے والوں کو اللہ زمین پر ہلاک نہیں کر سکتا؟ |
| ۲۰۶ | سردارانِ قریش اپنے عوام کو گم راہ کر کے بچ نہ پائیں گے |
| ۲۰۶ | نبی وحی میں خیانت نہیں کرتا |
| ۲۱۲ | خلاصہ کلام |
| ۲۱۳ | پنج وقتہ اوقاتِ صلوٰۃ کا بیان اور نبی ﷺ کے لیے تہجد کی فرضیت |
| ۲۱۵ | انتہائی نامساعد حالات میں نبی ﷺ کو غالب آجانے کی بشارت |
| ۲۱۵ | غلبہ اسلام کی جدوجہد اور اُس کے امکانات تا قیامت رہیں گے |
| ۲۱۶ | سارے انسان اور جن مل کر بھی قرآن جیسا کلام نہیں لا سکتے |
| ۲۱۷ | رسولوں کی بشریت منکرین و مشرکین کے لیے موجبِ حیرت و انکار بنی! |
| ۲۱۸ | مخاطبین کی ناقدری سے دل شکستہ نہ ہو |
| ۲۱۹ | مکے کے لیڈروں کو شدید انتقام کی وارننگ |
| ۲۲۰ | قرآن: مقصدِ نزول، اس کا تدریجاً نزول اور نصاریٰ کا اس پر ایمان لانا |

۹۲ واں باب

# قریش کی شکست کا آغاز

اے ہمارے پیغمبر، یہ وہ حکمت بھری نصیحتیں ہیں جو تیرے پروردگار نے تجھ پر وحی کی ہیں [اور اِن میں سب سے اوّلین یہ کہ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ پھر دوبارہ تمھیں یاد دلاتے ہیں کہ] دیکھو! اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ [وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ] بنا بیٹھنا، ورنہ تُو جہنّم میں ملامت زدہ اور ہر بھلائی سے محروم حالت میں ڈال دیا جائے گا۔ کیا فضول بات کی کہ تمھارے پروردگار نے تو تمھیں بیٹوں سے نوازا ہے اور خود اپنے لیے ملائکہ کو اپنی بیٹیاں بنالیا ہے؟ چہ خوب! بڑی ہی فضول اور جھوٹی بات ہے جو تم [منکرین، سردارانِ قریش] لوگ مونہوں سے بس ایسے ہی نکالتے رہتے ہو۔ ............ مفہوم آیات ۳۹ تا ۴۰

ہم نے اِس قرآن میں متعدد انداز سے لوگوں پر اپنے پیغام کو واضح کیا کہ شاید نصیحت پکڑیں، مگر اس سعی پیہم سے اُن کی اِس تحریک [محمد ﷺ اور آپؐ کے رفقا کی جدوجہد] کے ساتھ نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔ اے محمدؐ، انھیں بتائیے کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسری ہستیاں بھی کائنات کی تخلیق اور اُس پر اقتدار میں شریک ہونے کے ساتھ لائقِ عبادت معبود ہوتیں، جیساکہ یہ لوگ [دوسروں کو داتا اور دست گیر] کہتے ہیں، تو وہ مالکِ عرش کے مقام پر پہنچ کر قبضے کی ضرور کوشش کرتیں۔ پاک ہے وہ ذاتِ عالی، اور بہت بالا و برتر ہے اُن باتوں سے جو یہ شرک کے شوقین لوگ اُس کے بارے میں بناتے ہیں سُبۡحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوّٗا كَبِيرٗا۔ ................................ مفہوم آیات ۴۱ تا ۴۳

## اہلِ مکہ دعوتِ توحید کو کیوں نہیں قبول کر پا رہے؟

اگلی آیات میں دورِ نبوت کی تاریخ کا وہ نادر حصہ بیان ہوا ہے جو قرآن کے علاوہ ہمیں کہیں کسی اور ذریعے سے نہیں ملتا۔ بارہ [۱۲] برس مخالفت کرتے کرتے مکے میں نبی ﷺ کے مخالفین کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت اب یہ ہو چکی ہے کہ وہ چوں کہ بات کو سمجھنا نہیں چاہتے بلکہ کسی بھی طرح تمھیں بر سرِ غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں، تمھاری گفتگو اور دلائل اس لیے سننے آتے یا ٹھہر جاتے ہیں

تاکہ اُس میں اعتراضات جڑ سکیں اور مذاق اڑانے کے لیے اُنھیں کوئی موقع ہاتھ آجائے، جب ایسا کچھ نہیں بن پاتا تو بے زاری سے بات پوری سُنے اور کچھ غور کیے بغیر چلے جاتے ہیں۔

ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان موجود تمام چیزیں اللہ کی شرکیہ الزامات سے پاکی [غیر اللہ کی خُدائی کی گندگی کا انکار] بیان کر رہی ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح [پاکی کا اعلان] نہ کر رہی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ [منکرین کی اللہ پر یہ تہمت کہ اُس کے شریک ہیں بہت ہی نازیبا اور بڑی جسارت کی بات ہے، مگر] بات یہ ہے کہ وہ بڑا ہی ضبط کرنے اور معاف کرنے والا ہے۔ جب تم اُن کے سامنے قرآن تلاوت کرتے ہو، تو ہم تمھارے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک نظر نہ آنے والا پردہ ڈال دیتے ہیں، اور ان کے دلوں [مرکزِ شعور و جذبات] پر بھی ہمارا ڈالا ہوا غلاف ہے کہ وہ سن سنا کر بھی کچھ نہیں سمجھ پاتے، ہم ان کے کانوں میں رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جب تم قرآن میں اپنے تنہا ایک اکیلے خالق، مالک و معبود کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے پیٹھ پھیر جاتے ہیں

[۶۵]۔ جب وہ بظاہر بڑی توجہ سے تمھاری بات سُنتے ہیں، ہمیں علم ہے کہ کس مقصد سے کیا سُنتے ہیں، اور جب بیٹھ کر آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں۔ یہ ظالم منکرین آپس میں کہتے ہیں کہ تم [تمھارے نوجوان] تو ایک مسحور [جادو کے زیرِ اثر کام کرنے والے، سحر زدہ] آدمی کے پیچھے چل رہے ہو۔۔۔۔ دیکھو، کیسی پھبتیاں ہیں، جو یہ لوگ تم پر کس رہے ہیں۔ یہ گم راہ ہو گئے ہیں، انھیں راستا نہیں ملتا۔.............................................. مفہوم آیات ۴۴تا۴۸

## قیامت پر منکرین کا تعجب اور اعتراضات

مادہ پرستی میں غرق لوگ جو دنیا کی لذتوں پر ریجھ مرے ہیں، اُن کے لیے ہر دور میں آخرت کا تصور بڑا ہی تعجب خیز رہا ہے۔ نبی ﷺ کو مکے میں یہی باتیں سننے کو ملتی تھیں، ایک داعی حق کو منکرین کی بے ہودہ باتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ راقم کے ربط میں مغرب زدہ، سیکولر اور کمیونسٹ، صاحبانِ ثروت اور مقتدر صحافتی و سیاسی حلقوں کے لوگ آتے رہے ہیں، جو کچھ آنے والی آیات میں بیان ہوا ہے بالکل اسی طرح کے خیالات و مکالمات اِن حضرات سے سننے کو ملے ہیں۔

۶۵ وائے افسوس، گم راہ لوگوں کو جب آپ قرآن سُنائیں گے تو بالکل ایسا ہی روّیہ پائیں گے!

منکرین کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے، تو کیا ہماری تخلیقِ نو ہوگی؟ اے محمدؐ، اِنھیں بتاؤ کہ لازماً ہوگی؛ خواہ تم پتھر بنو یا لوہا، یا کوئی اور شے جس کی حد درجے سختی سے تمھارے گمان میں حیاتِ نو ممکن ہی نہ ہو۔ [یہ سن کر] وہ پھر ضرور سوال کریں گے کہ کون سی وہ ذات ہے، جو پھر سے ہمیں زندگی لوٹائے گی؟ بتادو کہ وہی، اُس کے علاوہ اور کون، جس نے بارِ اوّل تم کو پیدا کیا۔ [جنھیں بات سمجھنی ہی نہیں ہے] وہ تمسخر سے اپنی مُنڈھیاں ہلائیں گے [کہ اُن کے خیال میں یہ ہونا ہی نہیں ہے] اور مٹک مٹک کر پوچھیں گے اچھا، ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ کب ہوگا؟؟؟ کہو کہ کیا عجب، کہ بس ہونے ہی والا ہو، سنو، جس بھی لمحے اللہ، واحد القہار تمھیں پکارے گا، تو تم اس کے گن گاتے ہوئے اس کی ایک صدا پر [اپنی قبروں سے] نکل آؤ گے اور تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ شاید حالتِ موت میں بس تھوڑی ہی دیر پڑے رہے ہو۔ ........................ مفہوم آیات ۴۹ تا ۵۳

## حکمتِ تبلیغ

دعوتِ دین و توحید و آخرت میں مصروف انسانوں کے فہم و ادراک کے لیے بڑی ہی اہم بات یہ ہے کہ داعی کا کام محض بات کو پہنچانا ہے، صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس قابل ہے جسے حق بات کو قبول کرنے کی توفیق ملے اور کون اتنا شریر النفس ہے کہ گم راہی میں ترقی کرے۔ یہ بات جس طرح افراد کے لیے ہے اسی طرح قوموں کے لیے بھی ہے۔ نبیوں پر اور اُن کے متبعین اُمتیوں پر اِس سے زیادہ کچھ فرض نہیں کہ بات کو احسن طریقے سے پہنچا دیں، اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ اُن کے طرزِ عمل، گفتگو اور اخلاق سے کہیں لوگ اُن کے بجائے دعوتِ حق کے دشمن نہ ہو جائیں۔ لوگ بات مانیں گے تو اپنا بھلا کریں گے اور نہ مانیں گے تو اپنا نقصان کریں گے۔ بات اُس وقت خراب ہوتی ہے جب داعی یہ سمجھنے لگے کہ وہ غلبۂ دین کا ٹھیکے دار ہے، اور سیدھی انگلی سے اگر گھی نہیں نکلتا تو ٹیڑھی انگلی سے نکال لیا جائے۔ قرآن جا بجا اس بات کا تذکرہ کرتا ہے کہ آپ ٹھیکے دار نہیں [لست علیھم بمصیطر]، یہاں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپؐ کو اِن پر حوالدار بنا کر نہیں بھیجا [وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا]

اور اے نبیؐ، میرے بندوں کو یہ تلقین کرو کہ منکرین سے بحث و گفتگو اور مکالمے کے دوران

زبان سے ممکنہ عمدہ بات، بہترین انداز سے کہی جائے۔ بلاشبہ شیطان تو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ [اہلِ ایمان، منکرین کے روّیوں پر.... ایمان نہ لانے پر.... اور بے ہودہ مخالفت پر نہ مایوس ہوں نہ غصّے میں آئیں] تمھارا رب تم سب کے حال سے زیادہ واقف ہے۔ اے نبیؐ، ہم نے تم کو لوگوں کو حق قبول کروانے پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے، تم دعوت دیے جاؤ، وہ چاہے تو تم پر رحم کرے [مخاطبین کو توفیقِ ایمان دے] اور چاہے تو تمھیں [تمھارے مخاطبین کو] عذاب دے.................. مفہوم آیات ۵۳ تا ۵۴

## رسولوں کے درمیان فضیلت کی غیر ضروری بحث نامناسب ہے

مکہ سے دور مدینہ اور اُس کے قرب وجوار میں آباد یہودی گزشتہ سات آٹھ سال سے، جب سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت کا چرچا اُن تک پہنچ گیا تھا، بڑی بے چینی سے اس انتظار میں تھے کہ مکے کے مشرکین کسی طرح خود محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نبٹ لیں، اُن کی گردنوں پر ایک نبی کی مخالفت کا بوجھ نہ ہو۔ وہ آپؐ کو ایک سچے نبی کی حیثیت سے پہچان رہے تھے، اُنھیں غصہ تھا کہ یہ اعزاز وسعادت بنو اسمٰعیل کو کیوں مل گئی، اُن کے خیال میں [بلکہ اُن کی خواہش میں] اِس پر تو بنو اسرائیل کا حق تھا۔ وہ اہلِ مکہ کو پٹّیاں پڑھاتے، اعتراضات سجھاتے اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کرنے کے لیے نت نئے مطالبات کی فہرست تھماتے تھے۔ اسی قبیل کی چیزوں میں سے ایک یہ تھی کہ مشرکین آپؐ کو بتائیں کہ بنو اسرائیل کے گزرے نبی تو ایسے تھے اور ایسے تھے، تم کیسے نبی ہو کہ کوئی خرقِ عادت معجزہ نہیں دکھاتے، وہ نبی تو بڑی فضیلت والے تھے! اس طرح نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مؤمنین کو چھیڑنا مقصود تھا تاکہ اصل دعوتِ توحید اور عقیدہ آخرت کی جانب سے گفتگو، ذاتیات پر اور نبیوں کے درمیان فضیلت کی بحثوں کی طرف مڑ جائے۔ اگلی آیات میں، نبیوں کے درمیان فضیلت کی اِس غیر ضروری بحث سے منع کیا گیا ہے اور ساتھ ہی فرمایا جارہا ہے کہ گزرے ہوئے انبیاء، اولیاء یا ملائکہ[۶۶] کو پکارنا اور مدد کے لیے پکارنا بھی شرک ہے، اِس شرک میں اہلِ کتاب زیادہ مبتلا تھے۔

---

۶۶ آج بھی ہمارے معاشرے میں لوگ گلوں میں جو تعویذ پیر اور مولویوں سے بھاری اور ہلکے نذرانوں کے عوض لیتے ہیں، اگر اُنھیں کھول کر دیکھیں تو آپ کو اکثر میں ملائکہ [فرشتوں] ہی کے نام نظر آئیں گے!

تمھارا رب زمین اور آسمانوں کے درمیان تمام مخلوقات کو زیادہ جانتا ہے۔ [لوگ پیغمبروں کے درمیان فضیلت کی غیر ضروری بحث میں نہ پڑیں] اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے بعض پیغمبروں کے مرتبے بعض دوسروں سے بلند کر دیے، اور ہم ہی نے داؤدؑ کو [نبوت کے ساتھ زبردست بادشاہت بھی دی اور آسمانی کتاب] زَبور دی تھی۔ اِن سے کہو، بے کار ہے کہ پکارو [٦٧]، دعائیں مانگو اُن [٦٨] معبودوں سے جن کو تم اللہ کے مقابل (اپنا کارساز) سمجھتے ہو، وہ تمھاری کسی مصیبت کو تم پر سے نہ ٹال سکتے ہیں نہ تمھاری حالتِ بد کو خوش حالی سے بدل سکتے ہیں۔

جن [گزرے ہوئے بزرگوں، ولیوں یا فرشتوں] کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قُرب کی طلب میں سرگرم ہیں کہ وہ کسی طرح اُس سے قریب سے قریب تر ہو جائیں اور وہ خود اُس کی رحمت کے اُمیدوار اور اُس کے عذاب سے ڈرے ہوئے ہیں [٦٩] اور تیرے رب کا عذاب تو ہے ہی ڈرنے کی چیز۔ [منکرین کی جسارت کہ عذاب کو دیکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں، حالاں کہ] دنیا میں کوئی بستی یا شہر ایسا نہیں ہے جو قیامت سے پہلے ہمارے ہاتھوں فنا نہ ہو یا جسے ہم سخت عذاب نہ دیں۔ یہ کتابِ تقدیر میں لکھی

---

٦٧ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک نہیں ہے، بلکہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے دعا مانگنا، یا اُس کو مدد کے لیے پکارنا بھی شرک ہے۔ دعا اور استمداد و استعانت، اپنی حقیقت کے اعتبار سے عبادت ہی ہیں اور غیر اللہ سے مناجات کرنے والا ویسا ہی مجرم ہے جیسا کہ ایک بت پرست ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کچھ اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ نہ کوئی دوسرا کسی مصیبت کو ٹال سکتا ہے نہ کسی بُری حالت کو اچھی حالت سے بدل سکتا ہے۔ اس طرح کا اعتقاد خدا کے سوا جس ہستی کے بارے میں بھی رکھا جائے، بہر حال ایک مشرکانہ اعتقاد ہے۔ حاشیہ ٦٤ سورہ بنی اسرائیل، تفہیم القرآن

٦٨ باالفاظ دیگر فرمایا جا رہا ہے دعائیں مانگ دیکھواُن جھوٹے معبودوں سے جن کو تم مشکل کشا، حاجت روا، گنج بخش وغیرہ وغیرہ کہہ کر اُلوہیت میں شریک کرتے ہو، تمھیں یقین آجائے گا کہ یہ تمھاری کسی مصیبت کو تم پر سے نہ ٹال سکتے ہیں نہ تمھاری حالتِ بد کو خوش حالی سے بدل سکتے ہیں۔

٦٩ یہ الفاظ خود گواہی دے رہے ہیں کہ مشرکین کے جن معبودوں اور فریادرسوں کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے ان سے مراد پتھر کے بت نہیں ہیں، بلکہ یا تو فرشتے ہیں یا گزرے ہوئے زمانے کے برگزیدہ انسان۔ مطلب صاف صاف یہ ہے کہ انبیاء ہوں یا اولیاء یا فرشتے، کسی کی بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ تمھاری دعائیں سنے اور تمھاری مدد کو پہنچے۔ تم حاجت روائی کے لیے اُن کو وسیلہ بنا رہے ہو، اور اُن کا حال یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف ہیں، اور اس کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنے کے وسائل ڈھونڈ رہے ہیں۔ حاشیہ ٦٥ سورہ بنی اسرائیل، تفہیم القرآن

بات ہے۔ ہم کو نشانیاں [معجزات] دکھانے سے مانع اصل بات یہ ہے کہ اِن سے پہلے کے منکرین نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے اُن کو جُھٹلاتے رہے ہیں، جیسا کہ ثمود ہی کے معاملے کو دیکھو، ہم نے اُنھیں ایک ایسی اُونٹنی کی نشانی دی [جیسی اُنھوں نے طلب کی اور جو ہمارے نبی کی صداقت کا اعلانیہ چلتا پھرتا ثبوت تھی] مگر انھوں نے اُس پر ظلم کر کے در حقیقت اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ہم تو نشانیاں اس لیے بھیجتے ہیں کہ لوگ انھیں دیکھ کر ڈریں! .......................... مفہوم آیات ۵۵ تا ۵۹

## مشرکینِ مکہ کی شکست کا آغاز ہو چکا ہے

گزشتہ آیات میں ثمود کی قوم کا اللہ کی نشانی کو جُھٹلانے کا تذکرہ ہوا ہے، ثمود کے معاملے کا تفصیلی مطالعہ ہم ۹۲واں باب "قریش کی شکست کا آغاز" [دیکھیے صفحہ ۱۹۶] کر چکے ہیں، یہاں قوم ثمود کا نشانیوں کو جھٹلانے کا تذکرہ قریش کے سامنے اِس حوالے سے ہے کہ تمھاری طرح وہ بھی نشانی کے معاملے میں بے پروا تھے، اگر تم نے اپنے سامنے وقوع پذیر حقائق پر غور کر کے ہدایت پر لبیک نہ کہا تو خود اپنی جانوں پر ظلم کرو گے، اللہ کا کیا بگاڑو گے؟ یہاں قریش کے سامنے یہ تین حقائق رکھے گئے ہیں جن کو وہ نظر انداز کر رہے ہیں یا جن سے آنکھیں چُرا رہے ہیں یا جن کا تمسخر بنایا ہوا ہے۔

**پہلی حقیقت** [وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ ربكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ] اسلام مکے میں اور اُس کے چہار جانب پذیرائی حاصل کر رہا ہے اور جلد ہی اُس کو وہ کام یابی اور کام رانی حاصل ہونے والی ہے جو اِن کے غرور و اقتدار کا سر خم کر دے گی۔ اسلام مکے میں آباد تمام قبیلوں کے کچھ نہ کچھ نوجوانوں کو متاثر کر چکا ہے، قریب کی سرزمین مدینہ اور اُس کے اطراف میں پھیل رہا ہے، یہ آنکھیں بند کر کے اِسے خاک دھول کی مانند جھاڑ رہے ہیں نہیں جانتے کہ یہ آنکھوں میں گھس کر اِن کو رُلانے والا ہے، یمن اور حبشہ میں یہ سرائیت کر چلا ہے۔ چہار جانب سے اللہ اِنھیں گھیر رہا ہے۔ کیا مشرکینِ مکہ کے لیے اتنی منہ بولتی حقیقت کو پالینا کچھ مشکل ہے کہ محمد ﷺ نے آغازِ کار ہی اس دعوے سے کیا تھا کہ اُس کی پیش کردہ دعوت کو کام یابی حاصل ہوگی، کیا اللہ کا ایک سے زائد بار یہ قریش کو یاد دلانا کافی نہ تھا کہ وہ اُنھیں گھیرے میں لے رہا ہے ہوش میں آجائیں۔ آج پھر اُنھیں آخری بار [اہلِ ایمان کے مکے کو خیر باد کہنے سے قبل] ڈرایا جارہا ہے کہ نادانو! گھیرے میں آچکے ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت کے بالکل اوّلین ایّام ہی سے آپؐ کو مشن

میں کام یابی کا یقین دلایا گیا تھا، تیسری وحی [سُوْرَۃُ الضُّحٰی] میں آپؐ کی تسلّی کے لیے کہا گیا تھا: وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی ﴿۵﴾ یقیناً تمھارا انجام آغاز سے بہتر ہوگا اور تمھارا پروردگار جلد ہی تمھیں اتنا کچھ عطا کرے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ پھر نبوت کے پانچویں سال میں جب ظلم و تشدد اپنی انتہاؤں پر تھا، فرمایا گیا: بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ تَکْذِیْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِہِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے کُفر کیا ہے اور تمھیں جھٹلایا ہے اللہ نے اِن کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ [سُوْرَۃُ الْبُرُوْج] ایک سال بعد، چھٹے برس میں جب ہجرتِ حبشہ ہو چکی تھی اور کفّار جھنجلائے ہوئے تھے حٰمٓ السَّجْدَۃ میں پھر اسی بات کو مستحکم کیا گیا کہ اللہ اِن مخالفین و مشرکین کو گھیرے میں لے چکا ہے، نہ یہ کام یاب ہوں گے اور نہ ہی بچ کر جانے پائیں گے، اللہ نے اِن کا احاطہ کر لیا ہے: اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ اَلَآ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾ آگاہ رہو، یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات میں شک رکھتے ہیں۔ سُن رکھو، ہر چیز اور ہر معاملہ اُس کے دائرۂ اختیار میں ہے۔

دوسری حقیقت [وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ] یہ ہے کہ اللہ نے اپنی نبیؐ کو راتوں رات جو مسجدِ اقصیٰ اور پھر آسمانوں کی سیر کرائی اور خود اُس کی تصدیق مہیا کر دی، جس کا انکار ممکن نہیں مگر یہ اِن کے قبولِ حق کے لیے فتنہ بن گئی ہے۔ یہ حقیقت جس پر اِن کا اپنا نفس شاہد ہے مگر سردارانِ قریش کے لیے اُن کی اَنا کا پندار اور مکے کے عوام کے لیے اپنے سرداروں کی پیروی انکارِ حق کا باعث بن گئی ہے۔ کبھی یہ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو خود ہی حق کی گواہی دے دیں۔

تیسری حقیقت [....وَالشَّجَرَۃَ الْمَلْعُوْنَۃَ فِی الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ....] یہ ہے کہ تم کو ڈرایا گیا کہ جہنم میں زقوم کے لعنت کے مارے درخت سے غذا حاصل کرو گے، جس کے اوپر کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا، لیکن تم ہنسی اُڑاتے ہو اور کہتے ہو کہ آگ میں درخت اُگے گا؟؟ معاملہ یہ ہے کہ آفاق کی نشانیوں اور کائنات کی پیدائش میں تمھارے لیے کوئی سبق نہیں ہے جو یہ کائنات پیدا کر سکتا ہے، اُس کے لیے کیا مشکل کہ آگ میں درخت اُگائے۔ اب تک نازل ہونے والے قرآن میں اس کا تذکرہ تین مرتبہ آ چکا ہے، اس درخت کی شکل یک بارگی سامنے لانے کے لیے ہم ذیل میں

اُن تینوں مقامات کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

۱. پہلی مرتبہ پانچویں برس کے وسط میں سُوۡرَةُ الصّٰٓفّٰت میں جہنم میں ایک درخت کا تذکرہ آیا: أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٦٢﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ترجمہ: بولو، یہ ضیافت اچھی ہے یا زقّوم کا درخت؟ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے۔ وہ ایک درخت ہے، جو جہنّم کی تہ سے نکلتا ہے۔ اس کے شگوفے ایسے ہیں جیسے شیطانوں کے سر۔ جہنّم کے لوگ اُسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے، پھر اس پر پینے کے لیے ان کو کھولتا ہوا پانی ملے گا۔

۲. سُوۡرَةُ الصّٰٓفّٰت سے متصل ہی سُوۡرَةُ الدُّخَان کا نزول ہوا جس میں دوسری مرتبہ اس درخت کی مزید خبیث اور ہولناک خصوصیات کا تذکرہ ہوا۔ بتایا گیا: إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ زقّوم کا درخت گناہ گار کا کھاجا ہوگا، تیل کی تلچھٹ جیسا، پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔

۳. ایک سال سے کچھ کم عرصے بعد، چھٹے برس میں سُوۡرَةُ الۡوَاقِعَة میں اس ملعون درخت سے پھر کفّار کو ڈرایا گیا: لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٥٣﴾ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿٥٤﴾ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ﴿٥٥﴾ البتہ کھانے والے ہو تھوہر کا درخت۔ اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔ پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو۔ پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح!

> [کیا یہ ایک زندہ نشانی کافی نہیں کہ یہ منکرین گھیرے میں آچکے ہیں]، یاد کروائے محمدؐ، ہم نے تم سے [تمھارے آغازِ کارِ نبوت ہی میں یہ] کہہ دیا تھا کہ تیرے رب نے اِن منکرین کو گھیر رکھا ہے، اور یہ جو کچھ ابھی ہم نے تمھیں [سفر معراج میں] دکھایا ہے اور اُس [آتشِ دوزخ میں اُگنے والے زقوم کے] درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، ہم نے [یقین نہ کرنے اور مذاق اُڑانے والے] منکرین کے لیے ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا۔ ہم انھیں پیہم ڈراوے دے رہے ہیں، مگر ہر تنبیہ اور ڈراوا اِن کی سرکشی میں اضافہ ہی کیے جاتا ہے۔ ............................ مفہوم آیت ٦٠

کچھ صفحات پہلے سُوْرَۃُ الْحِجْر کے مطالعے کے دوران [دیکھیے موضوع: انسان کی تخلیق کا واقعہ، مرحلہ بہ مرحلہ؛ صفحات ۱۱۸ تا ۱۲۳] ہم نے اس سورہ بنی اسرائیل کے نازل ہونے سے پہلے جتنی مرتبہ بھی قرآن مجید میں آدم و ابلیس کا واقعہ نازل ہو چکا ہے اُن تمام پر ایک اجمالی نظر ڈال لی ہے۔

اس سلسلہ کلام میں یہ واقعہ اس بات کو کھول کر بیان کرنے کے لیے بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اور اُس رسول کے مقابلے میں سرداران قریش کا یہ کبر و غرور اور شرکیہ نظامِ زندگی پر ضد اور ہٹ دھرمی اُسی ابلیس کے نقشِ قدم کی پیروی ہے جو اُس کی پیدایش کے وقت ہی سے انسان کا دشمن ہے، اور اُن کا یہ طرزِ عمل اُس کے اُس جال میں جا پھنسنا ہے، جس میں اولادِ آدم کو پھانسنے کے لیے اُس نے اللہ کو چیلنج کیا تھا۔ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ اور ابلیس کے درمیان مکالمے سے یہ بات عیاں ہے کہ جو لوگ دعوتِ توحید کی دعوت کو ٹھکرا کر شرک پر اصرار کر رہے ہیں، وہ اللہ کی تنبیہ کے مطابق ابلیس کے ساتھ جہنم میں گھسنے کا سامان کر رہے ہیں۔

اور یاد کرو، تاریخِ انسانی کے آغاز کا وہ موقع، جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے تعمیلِ حکم میں سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے تکبّر سے کہا کہ میں کیا اُس چیز کو سجدہ کروں، جو مٹی سے بنائی گئی ہے؟ ذرا اس کو دیکھ تو سہی، کیا یہ اس قابل تھا کہ تیری جانب سے اِسے مجھ پر فضیلت دی جا سکے؟ اگر تُو مجھے یوم قیامت تک کے لیے انسانوں کو ورغلانے کی مہلت دے، تو میں اس کی اولاد کو سوائے معدودے چند لوگوں کے، [اُس مقام خلافت سے ہٹا کے جس پر تو نے انھیں فائز کیا ہے] اپنے بس میں کرلوں گا۔ اللہ کا ارشاد ہوا کہ اچھا! جا تجھے مہلت ہے، اس کی اولاد میں سے جو بھی تیری اطاعت کرے گا، اُن سب کی، تیرے ساتھ جہنّم ہی بھرپور جزا ہے۔ تُو جس جس کو اپنی ترغیب اور شور و غوغا سے بہکا سکتا ہے بہکا لے، [غارت گر ڈاکوؤں کی مانند] ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، [تکاثر کی بیماری میں مبتلا کر کے] مال اور اولاد میں ان کا حصہ دار بن جا اور ان کو [دل فریب سبز باغ دکھا،] وعدوں میں للچا ......اور [اے انسانو!] شیطان کے وعدے سراسر فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ........[اے ابلیس، سُن لے] لاریب کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی بس نہ چلے گا، اور مخلص بندوں کی حفاظت کے لیے تیرا رب کافی ہے۔ ........................................ مفہوم آیات ۶۱ تا ۶۵

## منکرینِ مکہ دورِ حاضر کے گم راہوں کے مقابلے میں !

ابتدائے آفرینش کے موقع پر ابلیس نے کبر و غرور کا جو رویّہ اختیار کیا اُس کو اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان کر کے یہ بات متعین کر دی کہ اُن لوگوں کا دعوتِ توحید کو ٹھکرانا اور شرک پر اصرار کرنا دراصل کبر و غرور کی بنا پر تھا نہ کہ کسی اور وجہ سے، یہی مخالفتِ قریش کی اصل وجہ ہے۔ موضوع کی مناسبت سے آگے کی آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ جب سمندر میں تم طوفان میں پھنس جاتے ہو تو اُس ایک حقیقی پروردگار کے سوا دُوسرے سارے خود ساختہ معبودوں اور مشکل کشاؤں کو بھول جاتے ہو، جن جن کو تم اُٹھتے بیٹھتے پکارا کرتے ہو اور ایک اکیلے اللہ کو یاد کرتے ہو۔ افسوس، آج ہماری قوم کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی طرح طوفان میں پھنس جائے تو نعرہ لگاتی ہے "........ چشتی پار لگا دو کشتی" اور اسی طرح کے دیگر، اللہ کے غضب کو بھڑکانے والے نعرے زبان زدِ عام ہیں، العیاذ باللہ، اللہ ہم سب کو ہدایت دے !

تمھارا رب تو بس وہی ہے جو سمندر میں تمھاری کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کی رحمت سے معاشی سرگرمیاں جاری رکھ سکو۔ بلا شک و شبہ وہ تمھارے حال پر بہت ہی مہربان ہے۔ جب سمندر میں تم طوفان میں پھنس جاتے ہو تو اُس ایک حقیقی پروردگار کے سوا دُوسرے سارے [خود ساختہ معبود] جن جن کو تم پکارا کرتے ہو اُن سب کو بھول جاتے ہو، مگر جب اللہ تم کو ڈوبنے سے بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اُس اللہ ہی کو بھول جاتے ہو [اور دوسرے شریک ٹھہرانے لگتے ہو]، انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے۔ ........................................................ مفہوم آیات ۶۶ تا ۶۷

## کیا سمندر میں ڈوبنے سے بچ جانے والوں کو اللہ زمین پر ہلاک نہیں کر سکتا؟

[کیا خشکی پر بحفاظت پہنچ کر تم بالکل محفوظ ہو؟] کیا تمھیں اب اِس بات کا کوئی اندیشہ نہیں کہ اللہ کبھی تم کو اسی زمین [خشکی] میں دھنسا دے [جس طرح غرقِ آب کیے جاتے ہو غرقِ زمین ہو جاؤ]، یا تم پر پتھروں کی آندھی بھیج دے اور اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی سہارا نہ ہو؟ اور کیا تمھیں اِس بات کا بھی کوئی اندیشہ نہیں کہ اللہ ایک بار پھر تمھیں سمندری سفر پر لے جائے اور تمھاری ناشکری کی پاداش میں تم پر تند و تیز ہواؤں کو بھیج کر تمھیں غرق کر دے اور اپنے لیے، اس انتقام پر ہم سے کوئی پوچھ گچھ

کرنے والا نہ پاؤ؟۔۔۔ ہماری جانب سے بنی آدم [بنی نوع انسان] کی عزت افزائی ہوئی ہے، ہم نے اُسے خشکی و تری دونوں میں سواریاں عطا کیں، پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر

واضح برتری عطا کی۔ .............................................. مفہوم آیات ۶۸تا۷۰

## سردارانِ قریش اپنے عوام کو گمراہ کر کے بچ نہ پائیں گے

توحید کی دعوت اور اللہ کی نافرمانی پر اُس کے قہر سے ڈرانے کے بعد گفتگو کا رخ اُن ہی کبر و غرور کے مارے سردارانِ قریش کی جانب پھر جاتا ہے جنھوں نے عوام کو اپنے فریب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ سردارانِ قریش کی طرح آج بھی سیاسی و مذہبی لیڈر، بلّے باز، موسیقار، فن کار اور میڈیا کے ماہرین عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے پیچھے چلاتے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ گمراہ انسانوں کے انبوہ تنہا جہنم میں نہیں ٹھونسے جائیں گے، گمراہ انسانوں کے گروہوں کو اُن کے قائدین کے ساتھ بلایا جائے گا، چشمِ تصور سے دیکھیے لاکھوں کروڑوں پرستاروں [fans] کے مجمعوں کو اُن کے ایک سے ایک ہیرو اور لیڈر کی قیادت میں بُلایا جا رہا ہے؛ کسی کو ایک اداکارہ کے پیچھے، کسی کو سیاسی لیڈر کے، بلے باز کے، یا مذہب کے نام پر دھوکہ دینے والے مولانا کے پیچھے بلایا جا رہا ہے! فاعتبروا یا اولی الابصار!

اس دن کو یاد رکھو، جب کہ ہم انسانوں کی جماعتوں کو اُن کے قائدین کے ساتھ بلائیں گے۔ پس جن لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا، وہ اپنی روودادِ زندگی دیکھیں گے اور ان پر بال برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور جو اِس دُنیا میں [راہِ حق کی تلاش میں] اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام۔ ...... مفہوم آیات ۷۱تا۷۲

## نبی وحی میں خیانت نہیں کرتا

قصہ آدم و ابلیس سُنا کر مکے میں آئمۃ الکفر کے کبر و غرور پر تبصرہ ہوا، پھر اللہ تعالیٰ اس ساری روداد پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرماتا ہے۔ پہلی منکرین سے کہ ہوش میں آؤ اور شرک سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ چاہے تو تم کو خشک زمین پر تند و تیز ہواؤں کو بھیج کر غرق کر دے اور اس [غضب ناک] انتقام پر ہم سے کوئی پوچھ گچھ کرنے والا نہ پاؤ۔ دوسری بات یہ کہ تمھاری مت ماری

گئی ہے، اپنے کیے کا بوجھ تو اُٹھاؤ گے ہی، ساری قوم کی لیڈری کر کے اُن کو گم راہ کرنے کا بوجھ بھی تمھارے سر ہو گا، ہوش کے ناخن لو! گزشتہ آیات میں اس تبصرے کے بعد آنے والی گفتگو ایک اور اہم موضوع کی طرف مڑ جاتی ہے۔

گزشتہ سات سالوں یعنی ہجرتِ حبشہ کے بعد خصوصاً جب چھٹے سال کے بالکل آغاز میں عمر بن الخطاب اور حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما ایمان لائے تھے، سردارانِ قریش کی یہ کوشش رہی اور وقت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی کہ کسی بھی طرح آپؐ کو خالص توحید کی دعوت سے ہٹا دیں اور کسی نہ کسی طرح، کسی بھی کم سے کم درجے ہی میں سہی، آپؐ کو شرک اور رسومِ جاہلیت سے مصالحت پر آمادہ کر لیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ خاص طور پر آپؐ کی اس خواہش کو کہ سب لوگ ایمان لے آئیں، اُنھوں نے اپنا نشانہ بنایا اور یہ فریب دینے کی کوشش کی کہ اگر آپؐ ذرا سی بھی لچک دکھائیں تو ہم سب ایمان لے آئیں گے، اس مقصد کے لیے فریب، لالچ، دھمکیوں، جھوٹے پروپگنڈے، معاشی دباؤ اور معاشرتی مقاطعہ کے علاوہ ہر اُس تدبیر و سازش سے کام لیا جو شریر ذہین انسانوں کے ذہن اختراع کر سکتے ہوں، اور وہ سب کچھ کر کے دیکھ لیا جو کسی بھی باہمت انسان کے صبر کو آزمانے کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ اگلی آیات میں اس اہم موضوع پر گفتگو ہوئی ہے، آیئے مزید آگے بڑھنے سے قبل پہلے آیات تلاوت کریں اور پھر اُن کا مفہوم دیکھ لیں۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ سُورَةُ بَنِيٓ إِسْرَآئِيل

اے محمدؐ، منکرین نے [کارِ نبوت کے گزشتہ تمام برسوں میں] ہر چال چل دیکھی کہ تمھیں ہماری نازل کردہ وحی سے کچھ انحراف کے ایسے فتنے میں ڈال دیں کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے اُن کی پسندیدہ بات بیان کرتے؛ [بالفرضِ محال] اگر ایسا ہو جاتا، تو وہ ضرور تمھیں اپنا دوست بنا لیتے۔ ہم نے تمھیں ثابت قدم رکھا [اللہ اپنے نبیوں اور مخلص داعیانِ دین کو ہمیشہ فتنوں سے بچاتا اور ثابت قدم رکھتا ہے]، ورنہ ممکن تھا کہ تم ان کی جانب، قلیل ہی سہی کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے، لیکن اگر تم ایسا کرتے

تو ہم تمھیں دُنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزّہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا مزا ہوتا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے ۷۰۔ ...................... مفہوم آیات ۷۳ تا ۷۵

ظاہر الفاظ کو دیکھا جائے تو بلاشبہ نبی ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے، لیکن اس میں جو دھمکی اور غصہ ہے وہ اس طرح کی مصالحت کی باتیں بنانے والوں کی طرف ہے تاکہ وہ جان جائیں کہ اس قسم کی کسی کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی [bargaining] پر اگر خود اللہ کے رسول کو دنیا اور آخرت میں دوگنے عذاب کی دھمکی ہے تو پھر مصالحت کی اِس آرزو کے بروئے عمل آنے کا کیا امکان ہے؟ اور یہ دوگنے عذاب کی دھمکی رسول کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے ہے، جس کا مرتبہ جتنا بلند ہوتا ہے اُس سے غلطی کی اُتنی ہی کم توقع ہوتی ہے، اس لیے کہ اُس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہوتی ہے اور اُس کی غلطی کے نقصانات بھی چند در چند ہوتے ہیں۔ اس وضاحت سے یہ ظاہر ہے کہ اُس کی گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کو خطاب کر کے یہ تنبیہ، دھمکی اور غصہ، اِن آیات کے نزول کے وقت جہاں مصالحت کی باتیں بنانے والے سردارانِ قریش کی طرف تھا وہیں یہ قیامت تک امت میں اُٹھنے والے تمام داعیان دین کے لیے ہے کہ باطل سے اور مشرکوں سے کوئی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ میرا ذہن باوجود کم علمی کے اس معاملے میں بالکل صاف ہے کہ اندازِ خطاب کے باوجود اس وعید کا تعلق نبی ﷺ سے ہر گز نہ تھا کہ جیسا کہ چند مفسرین لکھتے ہیں کہ آپؐ لوگوں کے ایمان لانے کے حریص تھے، اس لیے بتقاضائے بشری آپؐ بھی مصالحت کے معاملے میں کسی تذبذب میں تھے۔ اس موضوع پر گفتگو سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ اس موضوع پر نبوت کے گزشتہ بارہ سالوں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کیا پیغامات اور ہدایات ملی ہیں۔

نبوت کے چوتھے سال دعوتِ توحید ایک مہم کی شکل میں پیش کی گئی، ابتدا میں اس کا مذاق اُڑایا گیا، قرآن مجید کی آیات کو شاعری، کہانت اور محمد [ﷺ] کی اپنی ذاتی تصنیف یا کسی اور سے سیکھ پڑھ کر لکھوائی ہوئی کہا گیا۔ دعوت عام کے پہلے سال [نبوت کے چوتھے برس] میں یہی سب سے بڑا الزام

۷۰ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان بتا رہا ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی وحی سے انحراف نہیں کیا، اللہ اُن محدثین اور مفسرین کو معاف فرمائے اور اُن پر رحم فرمائے جنھوں نے یہ کہہ کر بڑا ظلم کیا کہ نبی ﷺ نے نعوذ باللہ شیطان کے بہکاوے میں آکر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے سورہ نجم کی تلاوت کرتے وقت وحی میں اپنی طرف سے کچھ زائد الفاظ بتوں کی شان میں فرما دیے تھے۔ قرآن کی یہ آیات صاف طور پر کہہ رہی ہیں کہ ہم نے تم کو ثابت قدم رکھا۔

تھااور اسی کے ذریعے نبی ﷺ کی دعوت کا مقابلہ ہو رہا تھا اس کے جواب میں قرآن نے کہا:

تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٤٧﴾ سُورَةُ نمبر ۶۹: الْحَاقَّة..... ترجمہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور اگر اس (نبی) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اِس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اِس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی [ہمیں] اِس کام سے روکنے والا نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ سزا کی مثال ایک بادشاہ کے مقرر کردہ نمایندے کو غلط نمایندگی پر ملنے والی سزا کی ہے، اگر نمایندہ بادشاہ کے پیغامات واحکامات میں دانستہ و بالارادہ تبدیلی کرے تو بادشاہ اُس کو اِس بغاوت پر ممکنہ سخت ترین سزا دے گا۔ آخر ساری کائنات کے خالق ومالک کا نمایندہ [اللہ کا کوئی رسول] کیوں کر یہ حرکت و جسارت کر سکتا ہے۔ صاف صاف بتایا گیا کہ یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے نازل کردہ ہے، نبیؐ کی تصنیف تو کجا، اِن آیات میں نبیؐ کو اپنی طرف سے بال برابر کمی بیشی کا بھی اختیار نہیں ہے، بالفرضِ محال اگر وہ ایسا کرے تو ہم اِس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں اور اِس کی رگِ گلو کاٹ ڈالیں۔ منکرین سے کہا جا رہا ہے کہ تم اس قرآن کو ایک شاعر یا کاہن کا کلام کہتے ہو، نادانو! یہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے جو ایک تمھارے جانے پہچانے صادق و امین شخص پر نازل ہو رہا ہے، وہ اس میں ایک لفظ کی کمی یا اضافے کا بھی مختار نہیں ہے۔...... ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ جس نبی کی زبانِ مبارک سے اُس کی مہم کے چوتھے سال کے اواخر میں یہ سخت ترین مثال سُنائی جا رہی ہو، جب کسی مصالحت کی تجاویز کا یا قرآن میں کچھ ردوبدل کر کے نرم کر دینے کی تجویز کا دور دور کوئی نام ونشان نہیں تھا، کیا وہ نبیؐ مکے میں اپنی مہم کے آخری ایام [تیرھویں برس] میں جب قریش کو اُس سے نبٹنے کی کوئی راہ نہ نظر آ رہی ہو، اور اطراف سے اُن کا اقتدار و تمکنت بتدریج ختم ہونی شروع ہوئی ہو، وہ شرک و کفر کے ساتھ مصالحت کی تجاویز سن کر تذبذب میں پڑ گیا ہو گا!!!

اسی چوتھے برس جِنوں نے نخلہ کے مقام پر قرآن کی تلاوت سُنی، جب آپ ﷺ وہاں، عکاظ کے بازار جاتے ہوئے، راستے میں رک کر صبح کی نماز میں قرأت فرما رہے تھے۔ یہ جن عالمِ بالا میں کچھ عجیب اہتمامات پر تعجب میں تھے۔ اُن دنوں وہ آسمانوں میں اپنے لیے رسائی کے تمام دروازے بند

پارہے تھے اور انھوں نے یہ مشاہدہ کیا تھا کہ آسمانوں میں سخت پہرے داری ہے جس کے باعث ذرا سی بھی سن گن لینے کا موقع باقی نہیں تھا۔[مطالعہ فرمایے سورۃ الجن، کاروانِ نبوت جلد دوم]

جنوں نے من جملہ دوسری باتوں کے جو اُنھوں نے تلاوت کے دوران آیاتِ مبارکہ میں سُنیں، یہ بھی سُنا

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾ سُوْرَةُ الْجِنّ؛

ترجمہ : وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلّع نہیں کرتا، سوائے اُس رسُول کے جسے اُس نے (غیب کا کوئی علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو، تو اُس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے۔ اور اُن کے پُورے ماحول کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اس نے گِن رکھا ہے۔

صاف بیان ہو رہا تھا کہ اللہ نے ایک ایسا نظام وضع کیا ہے کہ جس کے ذریعے رسول یہ جان لیتا ہے کہ فرشتوں نے اس تک اللہ تعالی کے پیغامات بالکل ٹھیک ٹھیک پہنچا دیے ہیں، فرشتوں کو اُس میں ترمیم و اضافے کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ خود نگرانی فرما رہا ہے کہ فرشتوں نے اپنے رب کی ارسال کردہ آیات اس کے رسول تک من و عن پہنچا دی ہیں۔ ساتھ ہی اس نگرانی کے نظام میں یہ اہتمام بھی بدرجہ اتم موجود ہے کہ اللہ جان لے کہ رسولوں نے اِن آیات کو اپنے مخاطبین تک بلا خوفِ لومۃ ولائم، بلا کم و کاست پہنچا دیا ہے۔ یہ آیات یہ بھی بتاتی ہیں اس نظامِ نگہبانی کے لیے ملائکہ مقرر ہیں جو رسول تک وحی محفوظ طریقے سے پہنچ جانے اور پھر رسول کی جانب سے اللہ کے بندوں تک بے کم و کاست پہنچ جانے کی ضمانت دیتے ہیں۔

اِن آیات کو بار بار پڑھیے اور سوچیے کہ کیا اگلے برس، پانچویں سال رمضان المبارک میں جب مہاجرین کو حبشہ گئے چھ ماہ گزر چکے تھے جب سورہ نجم نازل ہوئی تو کیا اللہ کا رسول کفر و شرک کے علم برداروں کو مائل کرنے کے لیے اِن آیات میں نعوذ باللہ کچھ ملاوٹ کر کے بتوں کی تعریف کرنے لگے گا، جیسا کہ واقعہ غرانیق بیان کرتا ہے! اللہ تعالیٰ کی جانب سے رگِ گردن کاٹنے کی دھمکی کیا ہوئی، نبیؐ کا صبر و استقلال اور صداقت و امانت کیا ہوئی؟ پھر وہی سوال اپنے آپ سے دُہرایئے کہ

جب تیرہواں برس آیا اور فتح کے آثار ہویدا تھے، سعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما مدینہ میں اسلام کی دعوت پھیلا رہے تھے، کیوں کر ممکن تھا کہ اللہ کا رسول کفر و شرک سے کسی نوع کی مصالحت کی تجویز پر تذبذب کا شکار ہو۔

وقت گزرتا چلا گیا، اس پانچویں سال کے بعد اور بھی بہت سارے معاملات نبٹ گئے، ہجرتِ حبشہ ثانیہ ہوئی، شعب ابی طالب کے ایّام آئے، شق القمر بھی ہوا، عام الحزن سر پر سے گزر گیا، طائف بھی آپؐ کے عزم کو متزلزل نہ کر سکا اور اب یہ گیارہواں برس چل رہا ہے سُوْرَۃُ یُوْنُس نازل ہو رہی ہے۔ اس ضمن میں آنے والی اہم آیات سنیے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾

[سُوْرَۃُ یُوْنُس]

جب اُنھیں ہماری صاف صاف باتیں سُنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اِس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ اے محمدؐ، ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اِس میں کوئی تغیّر و تبدّل کر لوں، میں تو بس اُس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اور کہو، اگر اللہ کی مشیّت یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تمھیں کبھی نہ سُناتا اور اللہ تمھیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمھارے درمیان گزار چُکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اِن آیات میں جو کچھ کہا ہے وہ بہت واضح ہے۔ جب منکرین رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کریں کہ مصالحت اور بقائے باہمی کی خاطر اس قرآن میں کچھ ترمیم کر لو تو آپؐ صاف بتا دیں کہ یہ قرآن میرے ذہن کی اختراع نہیں ہے بلکہ یہ وحی کے ذریعے سے میرے سینے پر القا ہوتا ہے جس میں کسی ترمیم کا مجھے اختیار نہیں۔ اور یہ بھی کہ قرآن کے پیش کردہ

مطالباتِ دین میں کسی مصالحت کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے، قبول کرنا ہے تو اس دین کو جیسا کہ یہ پیش کیا گیا ہے پورا قبول کرلو، ورنہ پورے کو رد کردو۔

قارئین غور فرمائیں کہ اِن قرآنی ہدایات سے گزرتے ہوئے اللہ کا نبی مکی زندگی کے اُن آخری ایّام میں داخل ہوتا ہے، جب اُسے معراج نصیب ہو چکی ہے، قریبی شہر مدینہ میں اسلام کے پھیل جانے اور اُس کے دارالاسلام بن جانے کے امکانات روشن ہیں، کیا وہ سوچ بھی سکتا ہے کہ اہلِ مکہ کو ایمان پر راغب کرنے کے لیے میں ان سے کچھ مصالحت کرلوں؟ ہرگز نہیں!

قرآن کا یہ کہنا کہ وَلَوْلَآ أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ ہرگز نبی ﷺ کی جانب سے کفار کے ساتھ کسی مصالحت کے لیے تذبذب کا اشارہ نہیں ہے۔ یہاں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر تم اس قرآن کی تعلیمات کے بعد باطل سے کوئی معمولی سا بھی سمجھوتہ کرلیتے تو یہ منکرین تو ضرور تم سے خوش ہو جاتے، مگر اللہ نے تمھیں استقامت بخشی، اگر ایسا نہ ہوتا تو: إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ یعنی اللہ کی ناراضگی مول لیتے ، ہم تمھیں دُنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔

## خلاصہ کلام

آیات یہ پیغام دے رہی ہیں کہ داعیانِ دین کو جاننا چاہیے کہ انسان خواہ وہ اللہ کا برگزیدہ رسول ہی کیوں نہ ہو، اپنے بل بوتے پر ابلیس کا اور اُس کی فوج کا مقابلہ نہیں کرسکتا جب تک کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہو۔ یہ آٹھ، نو برس سے پیہم قرآن کی تعلیمات تھیں اور اُن میں پنہاں اللہ کی عنایت سے ملنے والی صبر و استقامت تھی جس کے بل بوتے پر اللہ کا رسولؐ توحیدِ خالص کا علم بلند کیے پہاڑ کی طرح جما رہا اور تیرہ سالوں میں کفار کی جانب سے کوئی چیز [ایذا، لالچ یا دھمکی] قرآن کی تعلیمات کے برخلاف اُس کے دل میں کوئی تذبذب نہ پیدا کرسکی۔ یہ کہنا کہ بتقاضائے بشری آپؐ مشرکین سے اُن کے عقیدے یا عبادات و رسومات کے باب میں کسی سمجھوتے کے تحت وحی سے کچھ انحراف کے لیے تذبذب میں پڑ گئے تھے، بڑی جسارت کی بات ہے، بڑی ہی ناقابلِ فہم بات ہے، جو اِن آیات کے الفاظ سے اخذ کی جائے۔

☆☆☆☆☆

## اگر منکرین نے محمد ﷺ کو مکے سے نکالا تو یہ بھی یہاں نہ ٹک [غالب نہ رہ] سکیں گے

منکرین یہ معاملہ صاف پاکر کہ محمد ﷺ کے ذہن وخیال میں بھی اُن کی جانب سے قرآن میں کسی بھی ترمیم کی پیش کش کو قبول کرنا تو کجا، تجویز پر کوئی التفات یا کوئی تذبذب کے آثار بھی نہیں ہیں، یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ کسی طور آپؐ سے خلاصی حاصل کر لیں۔ ابی طالب کی زندگی میں تو وہ اُن سے مطالبہ کرتے رہے کہ وہ بھتیجے کو قتل کے لیے اُن کے حوالے کر دیں اور اُس کے بدلے ہم سے کوئی دوسرا جوان بیٹا لے لیں یا کم از کم محمد (ﷺ) اور ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں، مگر اس میں اُنھیں کوئی کام یابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ابو طالب کی موت کے بعد ہر گزرتے دن کے ساتھ اسلام کو مضبوط ہاتھوں کی حمایت حاصل ہوتی چلی گئی۔ مکے کے اطراف [یمن، حبشہ، مدینہ وغیرہ] سے زمین کٹتی چلی گئی [رعبِ اقتدار ختم ہوتا چلا گیا]، اب قتل کی بات کرنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے قریش کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر تم نے رسولؐ کو جلاوطن کرنے کی کوشش کی تو مکے میں تم بھی زیادہ عرصے نہ ٹک سکو گے۔ رسولوں کے باب میں یہ اللہ کی سنت ہے کہ قوم سے مایوس ہو کر رسول جب اللہ کے حکم سے اپنی زمین [شہر] سے نکل جاتا ہے تو قوم عذاب کا شکار ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ سردارِ بنو ہاشم، ابو لہب کی جانب سے آپؐ کی حفاظت سے ہاتھ اُٹھا لینے کی بنا پر آپ اِن دنوں مکہ میں مطعم بن عدی کی پناہ میں قیام پذیر تھے۔ تاریخ کی آنکھ نے دیکھ لیا کہ جب رسولؐ شہر سے چلا گیا تو منکرین بھی اکھڑ گئے۔ اگلی آیات کا مفہوم مطالعہ فرمائیں۔

> اور یہ منکرین [دعوتِ توحید پر تمھاری استقامت سے تنگ آکر اور تمھارے فتنے میں نہ پھنسنے سے عاجز آکر اب یہ غور کر رہے ہیں کہ] تمھیں اِس سرزمینِ مکہ سے ملک بدر کر دیں۔ لیکن اگر یہ ایسا کر پائے تو تمھیں نکال کر یہ خود بھی یہاں نہ ٹک سکیں گے۔ اُن سب رسُولوں کے معاملے میں جو ہم نے تم سے پہلے مبعوث کیے ہماری یہی سنّت [مستقل طریقِ کار] رہی ہے کہ [رسولوں کی جانب سے اتمام حجت کے بعد اُن کے شہر سے نکلتے ہی عذاب آتا ہے] ہماری سنّت میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ مفہوم آیات ۷۶ تا ۷۷

## پنج وقتہ اوقاتِ صلوٰۃ کا بیان اور نبی ﷺ کے لیے تہجد کی فرضیت

پچھلی آیات نے اشارے دیے ہیں کہ شہر چھوڑنے کا مرحلہ قریب آلگا ہے، اب جو بستی بھی ہجرت کا مقام بنے گی، جس کا ابھی، تاایں دم کوئی واضح قرینہ سامنے نہیں ہے مگر یہ بات طے ہے کہ مکے کو نبی ﷺ کے ہاتھوں دارالاسلام بننے کی جو خوش نصیبی کا موقع ملا تھا وہ فی الوقت ضائع ہونے جارہا ہے، افسوس مکہ کی قسمت! کسی بھی نئی جگہ، دارالسّلام میں جو سب سے پہلی ضروری چیز ہوگی وہ پابندیِ وقت کے ساتھ طے شدہ اوقات میں نماز کی ادائیگی ہے۔ اگلی آیات میں اشارہ دیا گیا کہ صبح کی نماز کے علاوہ زوالِ آفتاب کے بعد سے رات کے کامل تاریک ہونے تک نمازیں ادا کی جائیں۔ جس کے سینہ مبارک پر یہ آیات اُتری تھیں اُسی ذاتِ گرامیؐ نے اِس پر عمل کر کے بتایا کہ شام کے رات میں بدل جانے تک کا وقفہ چار نمازوں ظہر، عصر، مغرب اور عشا کو اپنے احاطے میں لیتا ہے۔ اور دعوتِ دین کا علم اُٹھانے والے عظیم قائد ﷺ کے لیے اِن پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ تہجد کو بھی فرض کیا گیا۔ اِس تہجد ہی کے ذریعے آپ ﷺ کو تعریف و تحسین کے اعلیٰ ترین مرتبے، مقامِ محمود پر فائزالمرام ہونے کا موقع ملا۔۔ گزشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے تمام صلحائے امت اِس کی پابندی کرتے رہے ہیں۔ جب سے امت کی قیادت بے نمازیوں اور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی ہے جن کے اطوار اطاعتِ رسولؐ سے بے زاری پر شاہد ہیں، شرق سے غرب تک مسلمان ذلت و نکبت کا شکار ہیں۔

> [اب جب کہ مکے کو چھوڑنے [ہجرت] کی باتیں ہیں تو بیش از بیش اللہ سے لو لگانے کے لیے] نماز قایم کرو، زوالِ آفتاب کے بعد سے رات کے کامل تاریک ہونے تک [شام کے رات میں بدل جانے تک؛ یہ وقفہ چار نمازوں ظہر، عصر، مغرب اور عشا کو اپنے احاطے میں لیتا ہے] اور فجر کے قرآن [نمازِ فجر یا نمازِ فجر کی تلاوت] کا بھی التزام کرو کیوں کہ فجر کی نماز پر خصوصی [فرشتوں کی] گواہی ہوتی ہے۔ اے نبیؐ، رات کو [نیند سے بیدار ہو کے] تہجد پڑھو، یہ [خاص تمھارے لیے] فرائض پر مزید [نفل نماز] ہے، شاید کہ اِن کے ذریعے تمھارا رب تمھیں [نبی ﷺ کو] تعریف و تحسین کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کردے۔
>
> ............................................ مفہوم آیات ۷۸تا۷۹

## اب تو مکہ کو چھوڑ ہی دینا ہے

بات صاف ہو رہی ہے کہ اس شہر سے ہجرت کر کے نکلنا ہے چناں چہ ہجرت کی دعا سکھائی جا رہی ہے۔

اور دُعا کرو کہ پروردگار [اس شہرِ مکہ سے نکال کر]، مجھ کو جہاں بھی لے جائے [نئے مقامِ ہجرت کو جسے تو جانتا ہے]، سچائی اور عزت کے ساتھ لے جا اور میرا نکلنا بھی سچائی اور عزت کے ساتھ ہو، اور خاص اپنی طرف سے ایک قوت واقتدار کو میرا مددگار بنادے۔............ مفہوم آیۃ ۸۰

## انتہائی نامساعد حالات میں نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو غالب آجانے کی بشارت

یہ قرآن کے ایک زندہ معجزہ ہونے کا ثبوت ہے کہ اس دوران کہ جب اہلِ شہر نبی ﷺ کی دعوت اور اسلام کی روزافزوں ترقی سے جھنجلا کر اِس تحریک کے قائدؐ کو شہر بدر کرنے کی سوچ رہے ہوں اور وہ خود شہر میں کسی کے جوار [پناہ] میں قیام پذیر ہو، نہ عددی برتری ہو نہ مالی؛ برتری تو کجا اُن کی قلت میں دشمنوں کے مقابلے میں کوئی نسبت ہی نہ ہو، قرآن غلبے کی نوید سنا رہا ہے [وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴿۸۱﴾] دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ اِن آیات کے نزول کے بعد دیر نہ لگی اور وہؐ غالب آگیا۔ اُس ذاتِ گرامیؐ نے اپنے چچا سے کہا تھا کہ یا تو میں اس کام میں کام آجاؤں گا یا میرا مشن پورا ہو کر رہے گا۔

اے محمدؐ، آپ بانگِ دھل یہ اعلان کریں [خاص طور پر مشرکین مکہ کو بتائیں] کہ دینِ توحید [سراسر حق] غالب ہونے آرہا ہے [گویا کہ آگیا ہے] اور باطل [مشرکانہ جاہلیت کا دین] تو مٹنے ہی کے لیے [گویا کہ مٹ گیا] ہے۔ اور ہم قرآن کے جو اجزا اتار رہے ہیں وہ تو [اور وہ بھی جو اتریں گے] اہلِ ایمان کے لیے ہر نوع کے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں [جس طرح امراض کے علاج کے لیے نسخہ شفا] یوں یہ قرآن مؤمنین کے لیے شفا اور رحمت ہے، مگر ظالم مشرکوں کے لیے یہ قرآن خسارے [غصے، مایوسی کے ساتھ اس قرآن کے انکار پر اصرار کے باعث دنیا اور آخرت میں ناکامی] کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔.................................................. مفہوم آیات ۸۱ تا ۸۲

## غلبہ اسلام کی جدوجہد اور اُس کے امکانات تا قیامت رہیں گے

اِن سطور کا مطالعہ کرنے والے جان لیں کہ نبی ﷺ کا مشن اللہ کے دین کو غالب کرنا ہی تھا،[71]

اور یہ کہ اُسی مبعوث صادق و مصدوق نے خبر دی ہے کہ اِس امت کا ایک گروہ برابر دینِ حق پر قایم رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ [قیامت] آجائے[72]۔ ہمیں احادیث میں اسلام کے روشن مستقبل کی ضمانت ملتی ہے کہ ایسے کسی غلبے کے دور میں اس کی دعوت کا ہر سو چرچا ہوگا اور اسلام ایک بار پھر دنیا کے بڑے حصے پر غالب آجائے گا[73]۔

انسان کا یہ حال ہے [ناشکرے، قریش کے سرداروں کی طرف روئے سخن ہے] کہ جب ہم اس کو انعامات سے خوش حال کرتے ہیں تو وہ اکڑتا، اینٹھتا ہمیں بھول جاتا ہے، اور جب ذرا سی آزمایش یا مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو سارے انعامات کو بھول کر رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونے لگتا ہے۔ اے نبیؐ، لوگوں سے کہہ دو کہ ہر کوئی اپنی روش پر کاربند ہے، تمھارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ صحیح راہ پر کون ہے۔..................................................... مفہوم آیات ۸۳ تا ۸۴

یہ منکرین تم سے اس وحی [روح] کی حقیقت معلوم کرتے ہیں، کہہ دو کہ یہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے، لیکن تم لوگوں نے [اپنی بدنصیبی کی بنا پر] اس علم سے کم ہی حصہ پایا ہے۔ اور اے محمدؐ، [یہ بات ہر ایک کو اور خصوصاً اس وحی پر اعتراض کرنے والوں اور اس کا مذاق اڑانے والوں کو معلوم ہونی چاہیے کہ یہ وحی سراسر ہماری عنایت ہے، اس میں تمھاری مرضی اور اختیار کو کوئی دخل ہی نہیں ہے، پس] ہم چاہیں تو اِس نازل کردہ وحی کو ہم، تم سے چھین لیں، پھر تم ہمارے مقابلے میں [اس روح کو واپس

---

۷۱ هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ۙ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿سورۃ التوبۃ ۳۳﴾ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنسِ دین پر غالب کر دے، چاہے مشرکوں کو کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔

۷۲ مسلم، کتاب الامارۃ ۵۳۔ بخاری ۶۱، کتاب 'المناقب' ۲۸، باب ۶/ ۶۳۲ [بحوالہ یوسف القرضاوی، 'غلبہ اسلام کی بشارتیں،' صفحہ ۱۶۲]

۷۳ مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ حدیث نمبر ۱۹؛ سنن ابوداؤد حدیث ۴۲۵۲ ۶/ ۶۳۲ [بحوالہ یوسف القرضاوی، 'غلبہ اسلام کی بشارتیں،' صفحہ ۱۶۲]

لانے کے لیے] کوئی حمایتی نہ پاؤ گے۔[تمھارے کسی استحقاق یا مطالبے پر نہیں بلکہ] یہ روح تو بس تمھارے رب کی رحمت سے ملی ہے، بلاشبہ تم پر اُس کا بہت بڑا فضل ہے۔ .......... مفہوم آیات ۸۵تا۸۷

## سارے انسان اور جن مل کر بھی قرآن جیسا کلام نہیں لا سکتے

اوپر منکرین کا وحی پر یہ استہزا ئیہ اعتراض گزرا کہ یہ وحی [روح] چیز کیا ہے؟ اُس کے جواب میں منکرین اور اُن کی اولادوں کے لیے تا بہ ابد ایک چیلنج چھوڑا گیا کہ اس کی مانند کوئی چیز لے کر آؤ!

اِن کو چیلنج کریں کہ اگر تمام انسان اور جن چاہیں کہ اِس جیسا قرآن لے آئیں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ سب مل کر ہی کوشش کیوں نہ کریں۔ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر قسم کی حکمت کی باتیں سمجھائیں، اکثر لوگ انکار پر اڑے رہے اور کافر ہی رہے۔ .......... مفہوم آیات ۸۸تا۸۹

غلبے کی بشارت اور پھر اس بشارت دینے والی روح [وحی، قرآن] پر پھبتیوں کا جواب دینے کے بعد سرداران قریش کے اُن فضول سوالات کو سامنے رکھا گیا ہے، جن کی لغویت خود اِن سوالات سے عیاں ہے، اتنی عیاں ہے کہ اس فضول بکواس سے تعرض بھی جہالت ہے لہٰذا اِن کا کوئی جواب بھی نہیں دیا گیا ہے۔

اور منکرین کہتے ہیں کہ ہم تو تمھاری بات اُس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ :

- تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ جاری کر دو....... یا....
- تمھارے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے درمیان تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ ....... یا....
- تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے نہ گرا دو، جیسا کہ تم دھمکی دیتے ہو۔....... یا....
- اللہ اور اُس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لا کھڑا کرو۔....... یا....
- تمھارے پاس سونے کا ایک مکان ہو۔....... یا....
- تُم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور تمھارے چڑھنے کا یقین بھی ہم اُس وقت کریں گے جب تم ہمارے اُوپر ایک کتاب نہ اُتار لاؤ جسے ہم خود پڑھیں۔

اے محمدؐ، اِن کو جواب میں صرف اتنی سی بات کہہ دیں: سبحان اللہ! میں تو بس

ایک انسان ہوں، اللہ کا رسول! ............................... مفہوم آیات ۹۰ تا ۹۳

## رسولوں کی بشریت ایک ایسی سچائی اور حقیقت ہے جو منکرین و مشرکین کے لیے موجبِ حیرت و انکار بنی!

نہ صرف نبی ﷺ کے لیے بلکہ سارے ہی انبیاء کے لیے اُن کا انسان ہونا نفس کے بندوں کے سامنے موجبِ حیرت و انکار بنا، اس لیے کہ رسول کو ما فوق البشر تسلیم کر کے اُس کی پیروی سے معذرت آسان ہو جاتی ہے، اور اُسے ایک انسان مان لینے سے اُس کو رول ماڈل ماننا پڑتا ہے اور اُس کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔

عوام النّاس کے لیے ہمیشہ اُن کا یہی باطل قول رسولوں کی ہدایت قبول کرنے میں مانع بنا کہ کیا اللہ نے [ہمارے جیسے] انسان [بشر] کو رسول بنا کر بھیج دیا[۷۴]؟ اے محمدؐ، اِن سے کہو کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ کہہ دو کہ میرے اور تمھارے درمیان بس ایک اللہ کی گواہی کافی ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کے حال سے خوب باخبر ہے اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ............................ مفہوم آیات ۹۴ تا ۹۶

## مخاطبین کی ناقدری سے دل شکستہ نہ ہو

ماحول کا اندازہ کیجیے جس میں نبی ﷺ دعوت دے رہے ہیں، حجت تمام ہُوا چاہتی ہے، ہجرت قریب آ لگی ہے، کفار جھنجھلا چکے ہیں، اہلِ کفر کے ساتھ عقیدے کے معاملے میں کسی بھی معمولی سے معمولی سمجھوتے سے صاف انکار کیا جا چکا ہے۔ اس صورتِ حال میں نبیؐ کو اور اہلِ ایمان کو تسلی دلائی جا رہی ہے کہ ایمان نہ لانے والوں اور قافلہ راہِ حق میں شامل نہ ہونے والوں پر کوئی افسوس نہ کرو۔

جو قرآنی آیات پر غور و فکر کے ذریعے اللہ کے سامنے اپنے آپ کو ہدایت کا اہل ثابت کرے گا اللہ اسی کو ہدایت دے گا اور جو اللہ کے سامنے گم راہی پر ہٹ دھرمی کے ذریعے اپنے آپ کو اس نعمتِ ایمان کا حق دار ثابت نہیں کرے گا وہ جہنم کا کندہ بنے گا، یہ سزا اُن کو اُس بکواس کے جرم میں ملے گی جو

---

۷۴ انسانوں کو اللہ کے دین اور رسول کی اطاعت سے برگشتہ رکھنے کے لیے رسولوں کی زندگی میں منکرین نے کہا کہ واہ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک انسان رسول بن گیا! قریش اپنا شجرہ نسب اچھی طرح جانتے تھے اور فخر یہ کہتے تھے کہ وہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں، یعنی انسانوں کی اولاد ہیں ورنہ خود اُن کا انسان ہونا مشتبہ ہو جاتا۔

وہ دنیا میں آخرت پر پھبتیاں کس کے کرتا رہا۔

[اے محمدؐ، دعوتِ دین کے اس کارِ گراں کے دوران اپنے مخاطبین کی ناقدری سے دل شکستہ نہ ہو] جس کو اللہ ہدایت دے گا وہی ہدایت پاسکے گا، اور جسے وہ گم راہ کر دے تو وہ کوئی حامی و مددگار نہیں پاسکتا۔ ان انکاریوں کو ہم حشر میں اوندھے منہ اس حال میں کھینچ لائیں گے کہ یہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، اِن کا ٹھکانا آتشِ دوزخ ہے۔ جب کبھی اس کے شعلے ذرا دھیمے پڑیں گے تو ہم اُسے مزید بھڑکا دیں گے۔ یہ بدلہ ہے ہماری آیات کے انکار کا اور اس قولِ غرور کا کہ کیا جب ہم صرف ہڈیاں اور چُور، چُور ہو جائیں گے تو کیا پھر از سرِ نو پیدا کر کے اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔...

........................................................... مفہوم آیات ۹۷تا۹۸

## منکرین کی کم ظرفی بالکل عیاں ہے!

جس عالی ظرفی سے، جیسی کہ خالقِ کائنات کی شان کو زیبا ہے اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرتا ہے۔ محمد ﷺ کی دعوت کے مقابلے میں کفار کی ہٹ دھرمی پر اُس مالک کا ایک تبصرہ اگلی آیات میں آرہا ہے کہ ایک طرف وہ عظیم قادرِ مطلق ہے جس نے تمھیں وجود بخشا اور پیدا کیا اور تمھیں موت کے بعد دوبارہ جمع کرنے کا اہتمام کیا، دوسری جانب، اے سردارانِ قریش، تم اور تمھاری جہالت کہ انکار ہی پر مصر ہو۔ ایک اکیلے اللہ، سارے جہاں کی مخلوقات، چیونٹی سے لے کر وہیل مچھلیوں تک کی ضروریات کو پوری کرنے والے کے مقابلے میں تم ہو کہ اگر کہیں میرے رب کی رحمت کے خزانے تمھارے کنٹرول میں دے دیے جاتے تو تم ختم ہو جانے کے ڈر سے ضروریات پر خرچ ہی نہ کر پاتے۔ واقعی انسان ہے ہی تنگ دل؛ وَكَانَ الْإِنسَانُ قَتُورًا ﴿۱۰۰﴾

اِن دوبارہ اُٹھائے جانے کے انکاریوں نے کیا اس معمولی سی بات کو نہ سمجھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم چیزوں کو وجود بخشا ہے، وہ اِن جیسوں کو [دوبارہ] پیدا کرنے کی ضرور قدرت رکھتا ہے۔ اس نے اِن کے انجام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے، مگر اِن ظالموں کو انکار ہی پر اصرار ہے۔ اے محمدؐ، اِن سے کہو، اگر کہیں میرے رب کی رحمت کے خزانے تمھارے تصرف [کنٹرول] میں ہوتے تو تم ختم ہو جانے کے ڈر سے ضروریات پر خرچ ہی نہ

کرتے۔ واقعی انسان ہے ہی تنگ دل۔................................ مفہوم آیات ۹۹ تا ۱۰۰

## مکے کے لیڈروں کو شدید انتقام کی وارننگ

ربِ عرش العظیم اپنی گفتگو کے اختتام پر منکرین کے معجزات کے مطالبات کو رد کرتے ہوئے قریش اور قریش کو پٹّیاں پڑھانے والے یہود کو فرعون اور اُس کی قوم کے انجام سے ڈراتا ہے، فرمایا جارہا ہے کہ بالکل کھلے معجزات دیکھ کر بھی فرعون اور اُس کی قوم کے لیڈر ایمان نہ لائے اور سوچا کہ موسیٰؑ اور اُس کے ہم نواؤں کو شہر سے نکال دیا جائے تو دیکھو کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ قریش اور یہود، دونوں کو محمد ﷺ کی زبانی صاف دھمکی ہے کہ تم نے، اگر اہلِ ایمان کو جلاوطن کرنے یا مار ڈالنے کی کوشش کی تو برباد کر دیے جاؤ گے اور یہ اہلِ ایمان ہی ہیں جنھیں اب مستقبل قریب میں پھلنا پھولنا نصیب ہو گا۔ تاریخ اِن دونوں گروہوں کی شکست اور رُسوائی پر شاہد ہے!

[تم محمدؐ سے کوئی ایک معجزہ طلب کرتے ہو] ہم نے موسیٰؑ کو تو پورے نو معجزے دیے تھے جو ہر آنکھ دیکھ سکتی تھی۔ اب یہ تم خود بنی اسرائیل سے پُوچھ لو کہ جب وہ سامنے لائے گئے تو فرعون نے یہی کہا تھا نا کہ اے موسیٰ، میں سمجھتا ہوں کہ تُو ضرور جادو زدہ آدمی ہے [۷۵]۔ اُس نے جواب دیا کہ تجھے خوب یقین ہے کہ یہ چشم کشا معجزات، آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے مجھے نہیں دیے ہیں، اور یقیناً ایک ہلاکت تیری مقدر ہے۔ [اتمامِ حجت پر، بے نتیجہ طویل بحث و مباحثوں کے بعد] فرعون نے ارادہ کر لیا کہ موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو اپنی سرزمین ہی سے مکمل طور پر بے دخل کر دے، مگر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ اُس کے تمام لوگوں کو اکٹھا غرقِ آب کر دینے کے بعد، بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم زمین میں پھلو پھولو، پھر جب آخرت کے وعدے کا مقررہ دن آجائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کریں گے۔..

۷۵ یہود کے سکھانے پڑھانے پر قریش نبی ﷺ سے معجزات طلب کرتے تھے، قریش کو بتایا جارہا ہے اور وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے کہ جن کو ایمان نہیں لانا ہو تا وہ معجزات دیکھنے پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ یہود سے زیادہ اس بات کو کون جانتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے معجزات دکھائے تو فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ، میں سمجھتا ہوں کہ تُو ضرور جادو زدہ آدمی ہے' قرآن اس کا انکار کرتا ہے کہ کوئی نبی نہ جادو کرتا ہے اور نہ جادو زدہ ہوتا ہے یا جادو اُس پر اثر کرتا ہے۔ مشرکین اور منکرین کا کہنا یہ تھا کہ جو کچھ کلام اور اللہ کی باتیں ہمیں نبی بتا رہا ہے کسی جادو کے اثر سے اُس کے منہ سے نکل رہی ہیں، قرآن اس کی جڑ کاٹ دیتا ہے کہ نبی مسحور نہیں ہوتا۔

## قرآن: مقصدِ نزول، اس کا تدریجاً نزول اور نصاریٰ کا اس پر ایمان لانا

کلامِ الٰہی کا یہ جز [سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیل] اپنے اختتام پر آ گیا، خالقِ کائنات اپنے پورے جلال کے ساتھ اس کا اعلان کر رہا ہے کہ:

- اے محمدؐ ہم نے تمھیں بر حق بھیجا ہے اور ایک پیغام مبنی بر صداقت کے ساتھ بھیجا ہے [کوئی مانے یا نہ مانے، حق، حق ہے، جسے زمین پر غالب آنا ہے۔]
- آپؐ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپؐ ماننے والوں کو دنیا اور آخرت کی بادشاہی کی بشارت دیں۔
- اِسے ہم نے تدریجاً تھوڑا تھوڑا ہی نازل کیا ہے [خواہ سردارانِ قریش کتنے ہی چیں بہ جبیں ہوں]
- یہ [شہر والے جن کے نصیب پھوٹے ہیں] ایمان لائیں یا نہ لائیں، اس جنسِ بے مایہ کے دوسرے خریدار بہت ہیں۔
- یہ حق کو پہچاننے والے [نصاریٰ]، صاحبانِ علم ہیں جنھیں پہلے کتاب دی گئی تھی، اس کتاب کو سن کر روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں، وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ [اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بتایا کہ یہ آیتِ سجدہ ہے اس آیت کو سن کر مسلمان بھی سجدے میں گر جائیں، یوں خشیت والے نصاریٰ کی، حق کی تائید کرنے والے حق پرستوں کی سنت کی تکریم ہو!]

ہم نے اس قرآن کو پیغامِ حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور اے محمدؐ، ہم نے تمھیں ماننے والوں کو کام یابیوں کی بشارت دینے اور نہ ماننے والوں کو اُس کے عذاب سے ڈرانے کے سوا اور کسی کام کے لیے نہیں بھیجا۔ اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم وقفے وقفے سے پیغام کے مختلف پہلو عوام تک پہنچاؤ، اور ہم نے اِسے [موقع بہ موقع کشمکش اور حالات پر چسپاں کرتے ہوئے] تدریجاً تم تک بھیجا ہے۔ اے محمدؐ، انکاریوں سے کہہ دو کہ تم اسے تسلیم کرو یا رد کر دو، جن لوگوں کو اس سے پہلے علم ملا ہوا ہے [مخلصینِ اہلِ کتاب] انھیں جب یہ سُنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پکار اُٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار، اُس کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔

اور اِسے سُن کر اللہ کے سامنے اُن کی خشیت میں اضافہ ہوتا ہے۔[76] ....... مفہوم آیات ۱۰۵تا۱۰۹

**آخری بات:** جو کچھ آگے اختتامی جملوں میں کہا جارہا ہے وہ مؤمنین کی یوں ہمت افزائی بھی ہے اور بشارت بھی گویا کہا جارہا ہو: اللہ کو وقار سے پکارو، اسماءالحسنیٰ کے ساتھ، ہمت بلند رکھو، اُسی کی حمد ہے، اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، اور نہ وہ درماندہ وعاجز ہے کہ اُسے کوئی سہارا درکار ہو۔ اے مومنو، وہ تمھاری مدد کو دوڑا آتا ہے، یہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالیں یا تمھیں قتل کرنے کی سازشیں کریں، بالکل نہ ڈرو، بلکہ خوف وخشیت سے لبریز، نہ بہت بلند اور نہ ہی بہت آہستہ، خوب خوب اللہ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ حق ہے بڑائی بیان کرنے کا، چاہے مکے کے لیڈروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو!

اے نبیؐ، اِن سے کہو، اُس خالق ومالک کو اللہ کہو یا رحمان کہو....... جس بھی نام سے پُکاروگے سب اچھے نام اُسی کے ہیں۔ اور اپنی نمازیں نہ زیادہ بلند آواز سے ادا کرو اور نہ بہت آہستہ آواز سے، ایک درمیانی اعتدال کی صدا ہو۔ اور اعلان کرو کہ شکر اور تعریف اُسی اللہ کے لیے ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ ہی اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے، اور نہ وہ درماندہ وعاجز ہے کہ اُسے کوئی سہارا درکار ہو.......اُس کی خوب، خوب بڑائی بیان کرو جیسا کہ حق ہے بڑائی بیان کرنے کا۔.............. مفہوم آیات ۱۱۰تا۱۱۱

☆☆☆☆☆

۷۶ یہ اہلِ کتاب کون سے ہیں؟ اس کے مصداق ایک تو وہ نصاریٰ ہو سکتے ہیں جو مکے میں رہ رہے تھے اور ایمان لے آئے، نینوا کے رہنے والے عداسؓ جو طائف میں ایمان لائے اور ایک کمزور روایت کے مطابق بدر میں شہید ہوئے۔ ہجرتِ حبشہ کے بعد خود نجاشیؓ اور وہاں سے نبی ﷺ اور اسلام کے بارے میں تحقیق کے لیے آنے والا وفد جو نبی ﷺ سے ملنے اور قرآن سننے کے بعد ایمان لے آیا۔ مکے میں یہود نے بڑی شدت سے اعتراضات اُٹھائے تھے اور قریش مکہ کو سکھائے تھے تاکہ وہ نبی ﷺ کے سامنے رکھیں، قرآن مجید نے بڑی تفصیل سے پورے مکی دور میں اُن کے مسکت جوابات دیے، یقیناً قرآن کی اِن وضاحتوں نے کام کیا ہوگا اور یہود میں سے بھی لوگ ایمان لائے ہوں گے، جیسا کہ قرآن اچھے اہلِ کتاب کے بارے میں یہاں بتا رہا ہے۔